مسودہ دستور پر
شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ
کی تقریر

۲۰ر فروری ۱۹۷۳ء کی شام کو قومی اسمبلی میں مسودہ دستور پر عام بحث کے دوران شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مہتمم دارالعلوم حقانیہ نے جو تقریر ارشاد فرمائی اسے ہم اسمبلی سیکرٹریٹ کی رپورٹنگ کی مدد سے یہاں پیش کر رہے ہیں۔

★

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔

جناب سپیکر صاحب! مجوزہ دستور کا جو مسودہ ہے اس کے متعلق مختصراً کچھ عرض کرنے سے پہلے اتنی گذارش ہے کہ کسی ملک کا آئین اس ملک کی موت وحیات کا مسئلہ ہوتا ہے۔ آئین کے ذریعہ افراد کے حقوق، رعایا کے حقوق باشندگان ملک کے مفادات اور حکومت کی بالادستی وغیرہ تمام امور کا تعین ہو جاتا ہے۔ تو دستور نہ کسی فرد کا مسئلہ ہے نہ کسی جماعت کا نہ کسی خاص شہر یا مخصوص دیہات کا مسئلہ ہے نہ کسی ایک صوبے کا بلکہ یہ کل قوم اور ملک کا مسئلہ ہے۔ تمام پاکستانی قوم کا مسئلہ ہے۔ اس لئے گذارش یہ ہے کہ اس مسئلہ پر نہایت تحمل اور تدبّر سے غور کیا جائے۔ اس کے لئے مناسب فضا قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ اور ایوان، ملک میں روایتی کشیدگی نہ ہونی چاہئے۔ آپس کی مفاہمت اور محبت کی صورت میں پورے دستور کی دفعات پر غور ہو سکتا ہے۔

> دستور کا مسئلہ ہر ذاتی اور سیاسی مفاد سے بالاتر ہے

میرے محترم بھائی حقانی صاحب (جناب عبدالحمید حقانی نے اس سے قبل تقریر کی تھی) نے بہت ہی اچھے الفاظ میں بعض چیزوں کی نشاندہی کی ہے کہ اس وقت جو فضا پیدا کی گئی ہے۔ کوشش یہ ہونی چاہئے کہ ناموافق فضا ہے یہ بدل جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ آئین کی ہر دفعہ پر نہایت ٹھنڈے

دل سے غور کیا جاسکے گا۔ یہ تو تمہیدی طور پر گذارش تھی جو میں نے پیش کی۔

پاکستان سوشلزم کیلئے تو نہیں بنا دستور کے متعلق یہاں یہ کہا گیا ہے کہ ہمارا دستور سوشلزم کے اصولوں پر ہوگا۔ (ایک معزز سے ٹوک جھونک کے دوران بعض اراکین نے کچھ اس قسم کے الفاظ کہے تھے) ــــ اس لئے کہ ہمارے منشور میں یہ چیز واضح طور پر موجود ہے، تو میں آپ سے یہ عرض کروں گا کہ سوشلزم تو نعرہ ہے پیپلز پارٹی کا۔ اور دستور کسی ایک پارٹی کے لئے نہیں بن رہا ہے بلکہ یہ پورے پاکستان کے لئے بن رہا ہے جس کے باشندے یہ کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور دوسری طرف آپ سوشلزم کی بنیاد رکھ رہے ہیں تاکہ رفتہ رفتہ یہ ملک پورے طور پر اشتراکی بن جائے ان سے میں پوچھتا ہوں کہ یہ آئین پورے پاکستان کے لئے بن رہا ہے اسے ہم پاکستانی قوم کے لئے بنا رہے ہیں یا کسی پارٹی کے لئے۔

یہ آئین نہ میری جماعت (جمعیۃ العلماء اسلام) کا ہے نہ پیپلز پارٹی کا، نہ نیشنل عوامی پارٹی یا مسلم لیگ کا ہے بلکہ پوری مسلمان قوم کے لئے ہے۔ اس کے بعد یہ کہنا کہ چونکہ ہماری پارٹی کا منشور یہی سوشلزم ہے۔ اس لئے ہم اپنے منشور کے مطابق آئین بنائیں گے تو میری رائے میں یہ بڑی زیادتی ہوگی۔

قیام پاکستان کی بنیاد اسلام میں آپ سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جس وقت کہ برصغیر کی تقسیم ہو رہی تھی اس وقت میں ہندوستان میں تھا۔ یوپی کے مسلمان بہار کے مسلمان سی پی کے مسلمان ان سب مقامات کے مسلمانوں سے میری ملاقاتیں ہوتی تھیں۔ اور قائد اعظم بھی وہاں تشریف لاتے تھے ان مسلمانوں سے جب دریافت کیا جاتا کہ تم تو اقلیتی صوبوں کے مسلمان ہو تمہارے لئے پاکستان بننے میں کیا فائدہ ہوگا تم تو ذلیل ہو جاؤ گے۔ تو مجھے خوب یاد ہے کہ وہ جو چھ سات کروڑ مسلمان موجود ہیں۔ انہوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ ہم سب کچھ جانتے ہیں مگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ اکثریت کے صوبوں میں پاکستان کی شکل میں اسلام کا مینار بلند ہو، جہاں اسلامی معاشرہ ہو، اسلامی تمدن ہو، جہاں اسلامی معیشت ہو۔ اگر یہ چیزیں حاصل ہوتی ہیں جیسا کہ قائد اعظم کہتے ہیں تو ہماری یہ جانی اور مالی قربانیاں یہ سب کچھ اسلام کے قیام و بقاء کی خاطر کوئی اہمیت نہیں رکھتی ہیں۔ اور جب اس قربانی کے صلہ میں وہاں پر اسلامی نظام قائم ہو جائے تو ہمیں قیمت وصول ہو جائے گی۔

مجھے یہ بات خوب یاد ہے کہ قائد اعظم سے جب یہ پوچھا گیا کہ آپ جو پاکستان بنا رہے ہیں وہ علاقہ تو مسلمانوں کی اکثریت کا ہے۔ لہذا یہ اقلیت والے علاقے کے مسلمان کیا کریں گے تو

ایک دفعہ ان کی زبان سے یہ نکلا کہ میں ان کا جنازہ اسلام کے لئے پڑھ چکا ہوں۔ حقیقت یہ ہے اور سچی بات یہ ہے کہ ہم ان کا جنازہ پڑھ چکے ہیں اور ہم نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اس کے بدلے ہم کو اسلامی نظام مل جائے گا۔ لیکن یہ بڑی افسوس کی بات ہے کہ آج ہم یہ سوچ رہے ہیں کہ ہمارے دستور میں سوشلزم ہو۔ کیا پاکستان سوشلزم کے لئے بنا تھا۔ ؟ اگر پاکستان سوشلزم کے لئے بنا تھا۔ تو پھر ہزاروں بلکہ لاکھوں اور کروڑوں مسلمانوں کو غلام بنانے کی کیا ضرورت تھی اور ہزاروں آدمی جو قتل اور شہید ہوئے اور عورتوں کی عصمتیں غیر محفوظ ہوئیں۔ پھر اس کی کیا ضرورت تھی، کیا یہ سب کچھ سوشلزم کے لئے ہوا تھا۔ یہ مقصد تو متحدہ ہندوستان میں بھی حاصل ہو سکتا تھا۔

اسلام سرکاری مذہب کی دفعہ اور اسکے تقاضے ہمارے اس دستور میں ایک دل خوش کن بات یہ ہے کہ اسلام پاکستان کا سرکاری مذہب ہوگا۔ میرے ایک بھائی (چوہدری ظہور الٰہی صاحب) نے آج کے اجلاس میں ایک جملہ کہا تھا کہ اس دفعہ کی کیا ضرورت تھی اور اس کا کیا فائدہ ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جب ہم یہ تسلیم کر لیں اور تجویز کریں کہ یہاں کا مذہب سرکاری سطح پر اسلام ہوگا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب اسے کل کا کل اسلام نافذ کرنا ہوگا۔ مذہب کا معنی ہے طریقہ، راستہ، کسی طریقہ پر چلنا تو حکومت کس طریقہ پر چلے گی۔ ؟ اسلام کے طریقے پر چلے گی یا کسی اور طریقے پر۔ یعنی ہمارے چلنے کا ہماری زندگی کا ہمارے طرز حکومت کا ہماری پالیسی کا جو راستہ ہوگا وہ کیا ہوگا۔ ؟ آیا وہ اسلامی ہوگا یا غیر اسلامی تو اب اس دفعہ کے شامل ہونے کی وجہ سے بڑا فائدہ ہوگا کہ اب یہ سب کچھ اسلام کے مطابق ہوگا اس عنوان کا یہی تقاضا ہوگا کہ ہمارے چلنے کا راستہ اسلام کے مطابق ہوگا اور دیکھئے جن جن ملکوں میں ان کے اپنے نظریات کے مطابق حکومتیں ہیں جیسے روس میں اشتراکیت کا نظام ہے۔ اور وہ سرکاری سطح پر ہے تو وہاں تمام ملک میں کوئی شخص ایسی تقریر نہیں کر سکتا جو اشتراکیت کے خلاف ہو وہاں یکلوتی سرمایہ دارانہ نظام کی بات نہیں کی جا سکتی۔ سرمایہ داری کی تبلیغ نہیں ہو سکتی۔ کیوں ؟ اس لئے کہ وہاں اشتراکیت حکومتی سطح پر ہے۔ تو یہ ایک بڑی اچھی بات ہے۔ اور بڑی اچھی تجویز ہے۔ کہ پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام ہوگا۔ تو میں یہ عرض کروں گا کہ یہ عنوان ہے تو بڑا خوش آئند لیکن اس عنوان پر اکتفا نہیں ہونا چاہئے بلکہ ہمیں ٹھنڈے دل سے غور کرنا ہوگا اور فیصلہ کرنا ہوگا کہ ہمارے ملک میں لادینی نظام ہوگا یا اسلام کا نظام ہے۔ ؟ ظاہر بات ہے کہ ہم سب مسلمان ہیں اور ہم میں سے کوئی شخص لادینی نظام کو نہیں چاہتا ہم جب دینی نظام چاہتے ہیں جس کا عنوان یہ ہے۔ کہ سرکاری مذہب اسلام ہوگا۔ تو اس کا تقاضا یہ بھی ہے کہ ہمارے ملک میں اگر کوئی تبلیغ اگر کوئی

تقریر یا تحریر سرکاری مذہب کے خلاف ہوگی تو وہ شخص باغی شمار کیا جائے گا۔ تو مجھے اس اچھی بات پر یہ کہنا ہے کہ آیا صرف نام کا ہمارا سرکاری مذہب اسلام ہوگا صرف کافی ہوگا نہیں بلکہ عملاً بھی۔ تو بتائیں اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنا ہوگا۔

اسلامی کونسل کی حقیقت | اسلام کے تقاضے کیا ہیں۔؟ ان پر بھی غور کرنا ہے۔ صرف اسلامی نام رکھ دینے سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ اسکی صورت یہ ہے۔ کہ آئین کی دفعہ ۲۲۷ سے چور دروازوں کے ذریعہ اسلام کے خلاف قوانین بننے کے راستے بند کئے جائیں، دفعہ ۲۲۷ میں ہے اس ملک میں کوئی قانون اسلام اور قرآن وسنت کے خلاف نہیں بنے گا۔ کیا اس کے مجوزہ طریق کار کے مطابق یہ مقصد حاصل کیا جاسکتا ہے۔؟ اس کے لئے اگلی دفعات کو موثر بنانا ہوگا۔ اسے اسطرح منضبط کرنا ہوگا کہ فرار کے راستے بند ہوسکیں چور دروازوں کی گنجائش نہ رہے۔ مجھے ان دفعات کے متعلق یہ عرض کرنا ہے کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمارے یہاں کوئی قانون کتاب وسنت کے خلاف نہیں ہوگا۔ تو اگر کسی صوبائی یا مرکزی ایوان میں ایسا کوئی قانون بن جائے جو قرآن وسنت کے خلاف ہے تو کیا عوام کو اس ملک کے باشندوں کو یہ حق ہوگا کہ اسے عدالت میں چیلنج کرسکیں اور وہاں یہ کہا جاسکے کہ فلاں دفعہ قرآن وسنت کے خلاف ہے۔ تو اس آئین کی رو سے اسے کالعدم قرار دیا جائے یہ ضمانت دی جائے کہ کوئی قانون اگر خلاف قرآن وسنت اس ملک میں بنا، تو اس کی چارہ جوئی کے لئے ہم عدالت تک جاسکیں اور اسے ہائی کورٹ یا سپریم کورٹ میں کالعدم قرار دیا جاسکے لیکن موجودہ آئین میں یہ تحفظ نہیں دیا گیا ہے۔ زیادہ حصہ ہیرا پھیری کا ہے۔ اس میں یہ تو کہا گیا ہے کہ اگر کوئی قانون اسمبلی میں پیش ہو تو اس کے لئے ہم ایک اسلامی کونسل بنائیں گے اگر متنازعہ قانون ہو تو ہم اسلامی نظریات کے اس کونسل کے پاس اس قانون کو بھیجیں گے تو اسلامی کونسل کے سلسلہ میں چند باتیں ضروری ہیں۔

ایک تو یہ کہ جو اسلامی کونسل اس مسودہ میں تجویز کیا گیا ہے۔ اس کے افراد زیادہ سے زیادہ ۱۵ ہوسکتے ہیں، جن میں دو جج ہوں گے چار علماء دین ہوں گے۔ اب یہ اسلامی کونسل جو ان قوانین کا فیصلہ کرے گی۔ اور وہ یہ کہ آیا یہ اسلامی قوانین ہیں یا نہیں تو ظاہر بات ہے کہ اس کے اسلامی ہونے نہ ہونے کا فیصلہ تو وہ کرسکتا ہے جو اسلام کا ماہر ہو۔ لیکن جیسا کہ اس میں کہا گیا ہے۔ کہ اس کونسل میں ۱۵ ارکان ہوں گے۔ جن میں سے دو ہائی کورٹ کے جج ہوں گے جو انگریزی قوانین کے ماہر ہوں گے۔ اور چار علماء ہوں گے اور باقی کے متعلق کچھ نہیں ذکر کہ وہ کون ہوں گے۔ تو دیکھنے کی بات یہ ہے کہ

اکثریت کس کی ہوگی۔

عبدالحفیظ پیرزادہ :۔ مولانا چار نہیں، کم از کم چار علماء ارکان لکھا ہے۔

مولانا عبدالحق صاحب :۔ بہر تقدیر اسکی حد متعین ہونی چاہئے کہ کونسل کی اکثریت علماء ارکان کی ہوگی۔ چونکہ ہم مسلمان ہیں۔ اور ہم دل سے ارادہ کئے ہوئے ہیں کہ اس ملک میں اسلامی قانون رائج کیا جانے تو کم سے کم یہ تو کیا جائے جیسے اگر اسمبلی کو کوئی فنی مسئلہ پیش ہوتا ہے تو اس کے لئے فنی ماہرین سے رجوع کیا جاتا ہے کہ تمہاری اس بارہ میں کیا رائے ہے۔ اسی طرح یہاں بھی کونسل کے ممبران کی اکثریت ماہرین دین یعنی علماء کی ہونی چاہئے۔ اگر یہ چیز اس میں رکھ دی جائے۔

ڈپٹی اسپیکر :۔ علماء کم از کم چار ہیں۔ (زیادہ کی بھی گنجائش ہے۔)

مولانا عبدالحق :۔ باقی کی تعداد معلوم ہونا چاہئے جو کونسل کے اندر اس کی مخالفت نہ کریں۔ ممکن ہے کہ اگر اور ارکان اسکی مخالفت کریں غلط فیصلہ کریں تو اکثریت کی بنیاد پر وہ علماء کی رائے کو مسترد کر دیں گے۔

پھر آئین میں یہ ہے کہ گورنر صدر یا اسمبلی یہ کہے کہ فلاں قانون اسلامی کونسل کے پاس مشورہ کیلئے بھیجدیا جائے تو اسے بھیجا جائے گا۔ لیکن اگر فرض کیجئے کہ صدر یا گورنر یا اسمبلی نے اسے ضروری نہ سمجھا تو وہ کونسل کے پاس نہیں جائے گا۔ اور اس پر اسمبلی ہی میں فیصلہ ہوگا۔ اور قانون وضع کر لیا جائے گا۔ اور اگر اسمبلی کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا تو فیصلہ اسمبلی کی اکثریت پر ہوگا، اور اسمبلی کی اکثریت اگر یہ کہے کہ ہم اسے اسلامی کونسل میں نہیں بھیجنا چاہتے تو اقلیت میں جو لوگ ہیں، وہ کچھ نہیں کر سکیں گے ایسی صورت میں.........

ڈاکٹر مبشر حسن :۔ جناب اسلامی کونسل کے پاس ایوان بھی بھیج سکتا ہے۔ گورنر بھی اور صدر بھی بھیج سکتا ہے۔

مولانا عبدالحق صاحب :۔ تو بہر حال ایوان کے بھیجنے کی صورت میں تو اکثریت کے اعتبار سے ہوگا۔ اور اگر اکثریت نہ بھیجنا چاہے تو معاملہ یہیں رہے گا۔ اور ممکن ہے ایوان خلاف دین فیصلہ کر دے۔ دوسری بات یہ ہے کہ فرض کیجئے کہ گورنر صاحب نے صدر صاحب نے یا اسمبلی نے اسلامی کونسل کے پاس مشورہ کے لئے کوئی قانون بھیج کر معلوم کرنا چاہا کہ یہ خلاف قرآن و سنت ہے یا نہیں ہے۔؟ تو وہاں تو بھیج دیا گیا مگر یہاں مسودہ میں ہے کہ اگر اسمبلی یا حکومت سمجھتی ہے۔ مفاد عامہ کی خاطر۔ تو جواب آنے سے قبل ایوان میں قانون وضع کر لیا جائے گا۔ تو گویا کونسل کے مشورے کے

آنے کا انتظار نہیں ہوگا۔ اور "مفادِ عامہ" کے نام سے اسے نافذ کر دیا جائے گا قانون بنا لیا جائے گا ـــــ تو اس طرح پھر قرآن و سنت کے خلاف قانون وضع کرنے کا راستہ نکل آیا۔ خرابی یہ ہے کہ اگر اسلامی کونسل اسمبلی، صدر یا گورنر کے پاس اپنی رائے بھیج دیتی ہے اور کہہ دیتی ہے کہ یہ خلافِ شریعت ہے تو مسودہ آئین میں یہ ہے کہ اسمبلی اس کے متعلق پھر غور کرے گی یعنی یہ نہیں کیا گیا کہ جب مشورہ مل گیا ہے کہ ایسا قانون خلاف قرآن و سنت ہے تو اسمبلی کا از سرِ نو غور اس کے تابع و موافق ہونا چاہئیے، یہ نہیں، بلکہ ایوان اس پر نئے سرے سے غور کرے تو غور تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم اس مشورہ کو نہیں مانتے۔ اسمبلی کونسل کے مشورہ کا پابند نہیں ہے، یہ صورت غلط ہے بلکہ اس دفعہ کو واضح کر دینا چاہئیے کہ اسمبلی اس مشورہ کے مخالف فیصلہ نہ کر سکے گی۔

اب یہاں یہ اعتراض کیا جا رہا ہے کہ کیا ہم اسمبلی کے ارکان کو اسلامی کونسل کے تابع بنا دیں اور اسمبلی پر اسے بالادستی کیوں کر دی جا سکتی ہے۔؟

ـــــ تو دو باتیں اس کے جواب میں کہی جا سکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ بنیادی حقوق کے بارہ میں ہر شخص کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ عدالت کی طرف رجوع کرے اور اگر کوئی جج کہہ دے کہ اسمبلی کا کوئی ایسا قانون بنیادی حقوق کے خلاف ہے تو وہ قانون اسمبلی کا کالعدم ہو جاتا ہے۔ تو ایک جج جو سرکاری ملازم ہے اور ایک فرد ہے۔ اور اس کی رائے میں اگر بنیادی حقوق کی خلاف ورزی ہوتی ہے تو اسمبلی کا فیصلہ کالعدم کر سکتا ہے، تو اسلامی کونسل کے ایسے مشورہ سے کالعدم کیوں نہیں ہو سکتا؟ (وہاں بالادستی کا سوال کیوں نہیں اٹھایا جاتا۔)

دوسری بات یہ ہے کہ اسلامی کونسل تو قانون کی واضع نہیں ـــــ اس میں تو قرآن و حدیث کے ماہر ہوں گے وہ تو صرف یہ بتائیں گے کہ یہ بات قرآن و حدیث کے مخالف ہے، یا نہیں تو کونسل کے ارکان وضع کرنے والے نہیں صرف ظاہر کرنے والے ہیں۔ کہ فلاں قانون قرآن و سنت کے مصداق ہے یا مخالف۔ آج ہم امام ابوحنیفہ کا حکم مانتے ہیں تو امام ابوحنیفہ کی تقلید کا مطلب یہ ہے کہ ہم انہیں مظہر (ظاہر کرنے والا) کہتے ہیں نہ کہ واضع (بنانے والا) جیسا کہ یہاں ہمارے ایک دوست میاں محمود علی قصوری کسی قانون کی تشریح کریں تو ہم انہیں واضع نہیں سمجھتے بلکہ صرف مطلب کا واضح کرنے والے ہیں مطلب میرا یہ ہے کہ اسلامی کونسل کی بالادستی درحقیقت قرآن و سنت کی بالادستی ہے اسے کیوں نہ مانا جائے۔

ـــــ یہ تو نئی قانون سازی کے بارہ میں تھا۔ سابقہ جتنے قوانین ہیں ان کو قرآن و سنت کے

مطابق کرنے کے بارہ میں کہا گیا کہ کونسل سات سال میں حتمی رپورٹ تیار کرے گی۔ گویا سات سال میں کونسل رپورٹ دے۔ اور آخر میں آکر ایوان یہ کہدے کہ ہمیں منظور نہیں تو ساری رپورٹ ردی کی ٹوکری میں چلی جائے گی (تو یہاں بھی اسمبلی کو اس رپورٹ کا پابند بنادینا ضروری ہے۔)

مخصوص بینچ — تو اس کے لئے ایک ضمانت آئین میں یہ دینی چاہئے کہ ایک عدالت عالیہ ہو اس میں علماء اور ماہرین شریعت اور دیگر ماہرین کا ایک مخصوص بینچ ہو جو اس بارہ میں فیصلہ کر سکے۔

کوشش نہیں، ضمانت - اس آئین میں کچھ خوبیاں بھی ہیں۔ مثلاً کہا گیا ہے کہ ایسے اقدامات کئے جائیں گے جس سے لوگ اس قابل بن جائیں کہ قرآن وسنت کے مطابق ان کی تربیت ہو اور انہیں سمجھایا جائے گا۔ کہ قرآن وسنت کی زندگی کیسی ہو۔؟ یہ تو منطقی الفاظ کا چکر ہے قابلیت کے معنی تو امکان اور صلاحیت ہے، اور وہ تو ہر وقت موجود ہے۔ ایسے اقدامات سے پہلے اگر ہم میں قابلیت نہ ہوتی تو ہم خدا کے جانب سے مکلّف کیسے ہو سکتے ہیں۔ یہی حال سمجھنے سمجھانے کا ہے۔ اور قرآن وسنت کے مطابق زندگی سمجھنے والے تو آج بھی ہزاروں لوگ ہیں۔ بچانوے فیصد مسلمان سمجھتے ہیں کہ سود برا ہے، زنا برا ہے، جوا برا ہے۔ تو کیا "پالیسی کے رہنما اصول" میں رکھنے سے کہ معاشرہ میں قابلیت پیدا کی جائے گی، مقصد حاصل ہو سکتا ہے۔؟

رہنما اصول کی حیثیت اسے عوام کی قابلیت اور استعداد اور سمجھنے پر نہیں چھوڑنا چاہئے بلکہ لازمی قرار دینا چاہئے۔ اس سے بڑھ کر خرابی یہ ہے کہ ان اصلاحات کو پالیسی کے اصول میں رکھا گیا ہے اسکی آئینی حیثیت کچھ بھی نہیں۔ مسٹر جسٹس منیر نے کہا ہے کہ جیسے لوگ اپنی پارٹی کے انتخابات کے وقت عوام کے سامنے منشور پیش کرتے ہیں تاکہ لوگ اس کے گرویدہ ہو جائیں یہی حیثیت آئین میں پالیسی کے رہنما اصول کی ہوتی ہے۔ قانوناً اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

املاک کی جبری ضبطی اور ملکیت کی تحدید آئین میں یہ بھی ہے کہ افراد کے حقوق مالیہ کا تحفظ ہوگا، الّا یہ کہ اگر ضرورت ہو تو ضرورت کے وقت اسکی اجازت ہوگی کہ کسی ملکیت کی تحدید کر دے یا اگر مفاد عامہ کے لئے کوئی ضرورت ہو تو حکومت بلا معاوضہ بھی اموال کو لے سکتی ہے۔ تو میں اتنی بات عرض کروں گا کہ اسی ضرورت کی بنیاد پر اگر ایک شخص جو بھوکا ہے اس کے بچوں نے کالج کی فیس دینی ہے۔ اور اس کے پاس پیسے نہیں تو وہ شخص اس ضرورت کی بناء پر کسی کی جیب کاٹتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ میں نے بیوی بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے جیب کاٹی ہے۔ تو اس پر آپ چوری کا قانون کیوں نافذ کرتے ہیں وہ بیچارہ بلا عوض لیتا ہے مگر کیا اسے ضرورت نہیں۔؟ تو کیا ضرورت

ہمیں چوری اور جیب تراشی کی اجازت دے سکتی ہے۔؟

میرے خیال میں جب ہم نے اسلامی آئین کو بنیاد بنالیا ہے تو اس تسلیم شدہ بات کہ ہم اسلامی آئین بنائیں گے، کا تقاضا ہے کہ ایسی دفعات ختم کردینی چاہئیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: کل المسلم علی المسلم حرامٌ دمہٗ ومالہٗ وعرضہٗ (مسلمان کا مال، جان، آبرو، سب کچھ دوسروں پر حرام ہے۔) اور چلئے ہم اس کے لئے تیار ہیں کہ اموال چھین لئے جائیں مگر اس میں یہ قید بہرحال لگانی چاہیئے کہ ناجائز اموال انگریزوں کی دی ہوئی جاگیریں ظلم کے ذریعہ حاصل کی گئی دولت ضبط کریں گے، لیکن اس صورت میں آپ کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ ایسے اموال ضبط کرنے کا حکومت کو حق ہے، لیکن وہ بھی حکومت کو نہیں ملیں گے اصل مستحقین اور حقداروں کو واپس پہنچانے ہوں گے۔ جن سے چھینی گئی تھی وہ لوگ مل سکیں تو ان کو دی جائے گی، لیکن آپ عوام کی تعلیم اور مفادات عامہ کے لئے دوسرے کے املاک ضبط کرنا چاہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم ایک شخص کو زندگی دینے کیلئے دوسرے کا گلہ کاٹ دیں۔ اور یہ انصاف نہیں۔ اور پھر کیا مفاد عامہ کے لئے ہمارے بیت المال اور خزانہ میں اور طریقوں سے گنجائش نہیں نکل سکتی۔ بہت سارا روپیہ ہماری عیاشیوں پر خرچ ہوتا ہے، بڑی بڑی بلڈنگوں پر، ہماری موٹروں پر، ہماری زیب و زینت پر خرچ ہوتا ہے۔ اسے کم کیوں نہیں کیا جاتا—— تو ہم اس کو کم کردیں اس طرح بیت المال میں جو اموال جمع ہوں گے محتاجوں پر خرچ کریں۔

دیکھئے حضرت عمرؓ کی کیا حالت تھی، قیصر و کسریٰ اور تاج و تخت کے مالک بنے، قبضہ میں دولت خزانے تھے، لیکن حضرت عمرؓ کیا کرتے تھے۔ دس دس پیوند لگے ہوئے کپڑے پہن کر خطبہ دیتے ہیں اور زمین پر لیٹتے ہیں۔ اور ایک دفعہ کھانا کھا رہے تھے۔ تو جَو کی روٹی کھا رہے تھے، ایک گورنر آیا اسے بلاکر بٹھایا اور کہا کہ کھائیے۔ اس نے کہا کیسے کھاؤں۔ یہ تو جَو ہے اور اس کا بھوسہ بھی نہیں نکالا گیا۔ تو کیسے نگلے گا، یہ تو گلے میں پھنس جائیگا—— تو جو اموال حرام طریقے سے جوا، شراب کی وجہ سے حاصل ہوتی ہیں۔ اسے تو ضبط کیا جاسکتا ہے۔ حلال اموال کو نہیں۔

ڈپٹی سپیکر صاحب:—— مولانا آپ ذرا تشریف رکھیں۔ آپ نے کتنا وقت لینا ہوگا۔ کیا آپ آج تقریر ختم کرسکتے ہیں۔ تھوڑے وقت میں (کیونکہ اسمبلی ختم ہونے کا وقت نو بجنے کو تھے) یا کل تقریر جاری رکھنا چاہیں گے۔

مولانا عبدالحق صاحب:—— اگر آپ دس منٹ بڑھادیں تو ختم کردوں گا۔

ڈپٹی سپیکر :- پھر آج ہی تقریر کو ختم کر دیں (حزب اختلاف سے اصرار تھا کہ کل بھی جاری رہے گی۔ تو سپیکر نے کہا۔)

ڈپٹی سپیکر :- میرا خیال ہے کہ ممبر کی آزادی میں کوئی آدمی دخل نہ دے۔ دونوں طرف سے، مولانا صاحب کی تقریر کا سلسلہ ٹوٹ جائیگا۔ مولانا صاحب کو تقریر کرنے دیں۔

پروفیسر غفور احمد :- مولانا یہ جو کی روٹی والی بات ان کو کچھ اچھی نہیں لگی۔

مولانا عبدالحق صاحب :- بہرحال میں دو باتیں عرض کر دوں کہ جو اموال حرام طریقے پر، ظلم کے طریقے پر، انگریز یا کفاروں کے خوش کرنے کے ذریعہ یا کسی اور طرح سے یا سود کی وجہ سے یا شراب کے ذریعہ حاصل کی گئیں وہ لے لیجئے اور اگر کوئی اصل حقدار ہے تو اسے حوالہ کر دیجئے اگر مالک نہیں ملتا تو بیت المال میں رہے۔ لیکن جو حلال آمدنی ہے وہ کسی طرح لینا جائز نہیں۔

دیکھئے یہ آئین تو ہم اس لئے بنا رہے ہیں کہ اسی کے ذریعہ لوگوں کو اطمینان دلائیں کہ تمہاری جان تمہارا مال تمہاری آبرو، عصمتیں محفوظ ہوں گی تو جب اس آئین میں ہم نے ایسی دفعات رکھیں تو گویا آئین میں آیا کہ ہم تو لوگوں کو کاٹیں گے۔ تو اس طرح حفاظت کب ہوگی۔ اس کے علاوہ اگر آپ زمینیں بلا معاوضہ لینے کی دفعہ رکھیں گے۔ تو جو مالک ہیں وہ پیداوار بڑھانے میں دلچسپی نہیں لیں گے زمین پر محنت نہیں ہوگی اور جب زرعی آمدنی کم ہوگی تو ملک کیسے چلے گا۔ پھر لازماً کارخانے اور صنعتیں بھی اس سے متاثر ہوں گی۔

صدر اور وزیر اعظم کا محاسبہ دوسری بات یہ عرض کرنی ہے کہ آئین میں یہ دفعہ بھی ہے کہ صدر کو اختیار حاصل ہے کہ کسی شخص کے متعلق اگر سزا نے موت کا حکم ہوا ہے تو صدر اسے بھی معاف کر سکتا ہے۔ تو میں حیران ہوں کہ ایک طرف تو صدر کو وزیر اعظم کا پرائیویٹ سیکرٹری بنا دیا گیا ہے کہ کوئی کام وہ بغیر وزیر اعظم کی مرضی کے نہیں کر سکتا، بلکہ ہر معاملہ میں خوشی سے دستخط کرے گا۔ اور دوسری طرف اسے اتنا اختیار دیا گیا کہ خدائی حدود اور اختیارات کے مقابلے میں بھی صدر کی پوزیشن اتنی بڑھا دی گئی کہ خدا کا حکم ہے کہ : ولکم فی القصاص حیوۃ یا اولو الالباب۔ کہ تمہیں قصاص سے زندگی ملے گی۔

خدا نے حکم دیا کہ ایک شخص نے جرم کیا قتل عمد کیا ہے اسکو قتل کیا جائے۔ مگر کیا صدر مملکت خدا کے مقابلہ میں اتنا زور آور ہے کہ وہ کہے کہ میں معاف کر سکتا ہوں۔

مولانا مفتی محمود :- مولانا اور صدر کا یہ حکم بھی وزیر اعظم کے بغیر نہیں چلے گا۔

مولانا عبدالحق :- پھر تو دونوں مجرم ہوئے۔

ڈاکٹر مبشر حسن :- پوائنٹ آف آرڈر سر۔ جناب والا مفتی صاحب دخل اندازی کر رہے ہیں اور فاضل مقرر کو تقریر نہیں کرنے دیتے۔ فاضل ممبر کو ہدایات دے رہے ہیں۔ انہیں (مفتی محمود کو) کہیں کہ ادھر منہ کر کے بیٹھیں۔

ڈپٹی سپیکر :- اصل میں ہمارے علاقے کے دونوں بڑے علماء ہیں جن کا علم ٹکرا رہا ہے۔

مولانا عبدالحق صاحب :- (تقریر جاری رکھ کر) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی جب مکہ معظمہ میں حکومت قائم ہوئی ایک قریش عورت جس کا نام فاطمہ تھا اور بنی مخزوم میں سے تھیں، اس نے چوری کی، چوری کا ثبوت ہو گیا۔ یہ لوگ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ کے پاس گئے کہ آپ سے سفارش کریں تو انہوں نے کہا کہ بھائی ہم تو کچھ نہیں کہہ سکتے، حضرت اسامہؓ جو حضور کو بہت عزیز تھے، ان کے پاس جاؤ حضرت اسامہؓ کے پاس گئے اور انہوں نے جب حضورؐ سے سفارش کی تو حضورؐ نے بڑی ناراضگی سے فرمایا: افی حد من حدود اللہ۔ تم خدا کی حدود میں سفارش کرتے ہو۔ اس میں تو مجھے بھی کوئی اختیار نہیں کہ تخفیف کروں۔ اور پھر لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ خدا نے تمہیں حکومت دی کہ عدل و انصاف قائم کرو، تو آج جب خاندان کا معاملہ آیا تو تم نے سفارشیں شروع کیں۔ دیکھو اس سے پہلے جب لوگوں کے پاس حکومتیں آئیں تو انہوں نے یہی کیا کہ حدود اور قصاص کو غریبوں پر تو نافذ کر دیا مگر اپنے خاندان پر جاری نہ کیا تو وہ ہلاک ہو گئے، فرمایا میں تو کبھی ایسا نہیں کروں گا۔ اور وہاں ایک عجیب جملہ آیا ہے جس میں ہمارے لئے بڑا سبق ہے، فرمایا یہ تو فاطمہ مخزومیہ ہیں۔

ولو ان فاطمہ بنت محمد سرقت (اعاذھا اللہ) لقطعت یدھا۔ فاطمہ بنت محمدؐ میری بیٹی جو "سیدۃ نساء اہل الجنۃ" ہے۔ خدا اسکی حفاظت کرے اگر اس کے ہاتھ سے بھی خدانخواستہ چوری ہو جائے تو اس کے ہاتھ بھی کاٹ دوں گا۔

—— تو یہاں اسلام کے اندر امیر اور غریب کا کوئی فرق نہیں تو یہ بڑی تعجب کی بات ہے کہ وزیراعظم اور صدر کو بمقابلہ حکم خداوندی لے آئے جبکہ ہم نے طے کیا ہے کہ یہاں کوئی چیز اسلام کے خلاف نہیں ہوگی —— ہاں ایک ہیں تعزیرات، حدود اور قصاص میں تو کسی کو اختیار نہیں پہنچتا حضورؐ فرماتے ہیں کہ میرا بھی اختیار نہیں ہے۔

—— تو دنیا کے صدروں کو کیا اختیار ہوگا۔ البتہ تعزیرات کہ سیاستہً سزاؤں میں کمی

پیش کر دی جائے۔ فرض کیجئے کہ شراب نوشی کا دور دورہ ہو ایک شخص بار بار حد قائم ہونے کے بعد بھی منع نہ ہو، چار پانچ دفعہ شراب پی لے، حدیث میں آتا ہے کہ اسے قتل کر دو، یہ سیاستہً ہے۔ حداً نہیں، قاضی کو اس کا اختیار دیا گیا تعزیرات میں صدر تخفیف کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ لیکن سزائے موت بوجہ قصاص اور قتل کرنے کی صورت میں ہو تو مقتول کا خون ضائع کر کے صدر اسے ساقط نہیں کر سکتا۔ یہ ہمارے اختیار میں نہیں۔ اور نہ حقوق العباد میں کسی کا تصرف چل سکتا ہے۔

آئندہ نسلیں کیا کہیں گی

الغرض آئین میں کچھ باتیں اچھی بھی ہوں مگر زیادہ تر اسلامی امور کا لحاظ نہ رکھا گیا ہو تو کوئی مسئلہ حل نہیں ہو سکے گا۔ ہمیں چاہیئے کہ آئندہ نسلوں کے لئے اسلامی آئین پیش کر دیں کہ وہ بھی کہیں کہ جس آئین کے لئے سات کروڑ مسلمانوں کو ہندوستان میں غلام کیا گیا تھا۔ جس آئین کے لئے پچیس سال تک ہزاروں افراد شہید ہوئے، لاکھوں عصمتیں لٹیں اگر پیپلز پارٹی نے اسے اپنی اکثریت اور تسلط کے زور سے مسترد نہ کیا تو مسلمانوں کی قربانی کام آئی دوسری صورت میں آئندہ نسلوں کا کیا ردّ عمل ہوگا؟

جناب والا! میں نے تو پہلے بھی عرض کیا تھا کہ مسئلہ نہ حزب اختلاف کا ہے نہ حزب اقتدار کا، بلکہ ہم سب کا مشترکہ مسئلہ ہے تو اسے خلوص دل اور ایمانداری سے مرتب کریں کہ لوگ ہمیں دعائیں دیں، اور خدا بھی خوش ہو، اور یہ تب ہوگا کہ ایسی فضا پیدا کریں کہ چپقلش اور منافرت نہ رہے۔ اور ہر شخص کو ٹھنڈے دل سے سوچنے کا موقع مل سکے۔ اگر پیپلز پارٹی یہ کہے کہ چونکہ ہم برسر اقتدار ہیں اور فلاں دفعہ کو منظور کرانا وقار کا سوال ہے۔ اگر یہ لوگ نہیں مانتے تو ہم لوگوں کی اکثریت ہاں کہہ کر اسے ہر حالت میں پاس کر دے گی تو کیا یہ ظلم نہ ہوگا۔ آئین پر ظلم نہیں کرنا چاہیئے۔ اس طرح ہم حزب اختلاف والوں کو بھی چاہیئے کہ ہم اس نقطۂ نگاہ سے کام نہ لیں کہ یہ مسودہ چونکہ ہمارے ان بھائیوں نے پیش کیا ہے۔ اس میں ضرور ہر جگہ کچھ نہ کچھ تنقید کرنی ہے۔ جتوئی صاحب (عبدالحمید صاحب جتوئی۔) پیپلز پارٹی میں ہیں۔ لیکن انہوں نے کتنی اچھی باتیں کہیں، جو ان کی صوابدید میں درست تھیں، یہی جذبہ سب ارکان کو اپنانا چاہیئے۔ ہم قوم کے مفاد، افراد کے مفاد اسلام کے مفاد میں جو بھی بات ہو اسکی ترمیمیں پیش کریں گے۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

سودہ دستور میں شیخ الحدیث مدظلہٗ کی پیش کردہ تقریباً ایک سو ترامیم اور اکابر جمعیۃ العلماء اسلام کی ترامیم اور اس بارہ میں دستور ساز اسمبلی کا طرز عمل اور دیگر دستوری تفصیلات آئندہ شمارہ میں ملاحظہ فرمائیں۔